فہرست

عنوان	صفحہ
تمہید	5
باب اول: اُخوت کی بنیادیں	7
پہلی بنیاد: تعلق مع اللہ	7
دوسری بنیاد: ایمان اور اسلام	8
تیسری بنیاد: محبت اور الفت	11
چوتھی بنیاد: خیر خواہی	13
پانچویں بنیاد: فکری پختگی	15
باب دوم: محبت افزا ذرائع واسباب	16
تعارف	16
اظہارِ محبت	18
دعا	19
ملاقات ومجالست	21
بشاشت ومسکراہٹ	23
رابطہ قائم رکھنا	23
غمی اور خوشی میں شریک ہونا	24
عیادت	25

عنوان	صفحہ
کثرتِ سلام	28
مُصافحہ	29
کھانا کھلانا	30
تکلُّف سے پرہیز	31
تُحفہ	32
آدابِ مجلس اور اچھا نام	33
حُسنِ ظن	34
باب سوم: اُخوت اور محبت کو تباہ کرنے والے اعمال/قواطعِ محبت	36
مذاق اُڑانا	37
عیب لگانا	39
بُرے ناموں سے پکارنا	40
بدگمانی سے بچنا	41
ایک دوسرے کی جاسوسی سے بچنا	41
حسد وبغض سے اجتناب	43
غیبت سے اِجتناب	44
بحث ومباحثے سے بچنا	45
متفرق برائیاں	46

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدِ نِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الْهَاشِمِيِّ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهِ الْبَرَرَةِ الْكِرَامِ وَعَلٰى سَائِرِ الْاَنْبِيَآءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ وَالْمَلٰئِكَةِ الْمُقَرَّبِيْنَ اَمَّا بَعْدُ۔

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۫ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۛۖ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۚ۫ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾ ۧ (الفتح:29)

"محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ اور وہ لوگ جو ان کے ساتھ ہیں، وہ کافروں پر بہت بھاری اور آپس میں بہت رحم دل ہیں۔ تم دیکھو گے انھیں رکوع کرتے ہوئے، سجدہ کرتے ہوئے۔ وہ (ہر آن) اللہ کے فضل اور اس کی رضا کے متلاشی رہتے ہیں۔ ان کی پہچان ان کے چہروں سے (ظاہر) ہے، سجدوں کے اثرات کی وجہ سے۔ یہ ہے ان کی مثال تورات میں اور انجیل میں ان کی مثال یوں ہے کہ جیسے ایک کھیتی ہو جس نے نکالی اپنی کونپل، پھر اس کو تقویت دی، پھر وہ سخت ہوئی، پھر وہ اپنے تنے پر کھڑی ہو گئی۔ یہ کاشتکار کو بڑی بھلی لگتی ہے تاکہ ان سے

کافروں کے دل جلائے۔ اللہ نے وعدہ کیا ہے ان لوگوں سے جو ان میں سے ایمان لائے اور نیک اعمال کیے، مغفرت اور اجرِ عظیم کا۔"

وَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَثَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ تَوَادِّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ مَثَلُ الْجَسَدِ (صحیح مسلم)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "باہمی محبت اور لطف و کرم میں اہلِ ایمان کی مثال ایک جسم کی سی ہے"۔

تمہید

تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ غلبہ و اقامتِ دین کے راستے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور ان کے تربیت یافتہ صحابہ کرامؓ نے بے مثال ایثار اور انمِٹ قربانیوں کی داستانیں رقم کیں۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے فضل وکرم سے تنظیم اسلامی کے رفقاء بھی غلبہ و اقامتِ دین کے نبوی مشن میں اپنا تن، من دھن لگا رہے ہیں۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم بھی اس کام کو کرتے ہوئے صحابہ کرامؓ کے انہی اوصاف کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کریں تا کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہم سے بھی اپنے دین کی مقبول خدمت لے لے۔ اقامت دین کا کام کرنے والوں کی خصوصیات کا جو نقشہ قرآن مجید نے کھینچا ہے ان میں اَلْحُبُّ فِی اللہ (محبت اللہ کی رضا کے لیے) اور اَلْبُغْضُ فِی اللہ (دشمنی اللہ کی رضا کے لیے) کی بہت اہمیت ہے۔ یہ وہ صفات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی صفاتِ جلال و جمال(۱) کا ایک عکس نظر آتا ہے۔ اَلْبُغْضُ فِی اللہ کا مطلب ہے کہ مؤمنین کافروں کے مقابلہ میں مضبوط وثابت قدم رہتے ہیں ان کے مقابلے میں ڈھیلے نہیں پڑتے، کسی بھی طرح ان سے مرعوب(۲) نہیں ہوتے اور اَلْحُبُّ فِی اللہ کا مطلب ہے کہ ان کا برتاؤ اپنے دینی بھائیوں کے ساتھ شفقت اور محبت و ہمدردی کا ہوتا ہے۔ یہ خصوصیت کہ ایمان والے صفاتِ جلال و جمال کے حامل ہوتے ہیں، ہر مسلمان میں عموماً اور اِقامتِ دین کا کام کرنے والوں میں خصوصاً مطلوب ہے۔ جہاد فی سبیل اللہ میں لگے رہنا (استقامت)، اس راہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہ کرنا (اِسۡتِغۡنَاءُ عَنِ الۡخَلۡقِ)(۳) عبادتِ الٰہی میں اجر کی فکر و جستجو میں اور قُربِ الٰہی کی تلاش میں لگے رہنا (ذوق وشوقِ عبادت اور مقامِ رضا کی طلب) وغیرہ جیسی خصوصیات بھی ہر مومن کی طبیعت کا حصہ ہونی چاہیں۔

(۱) غصہ اور رحمت (۲) رعب میں آنا (۳) مخلوق سے بے پرواہونا

یہ مبارک صفات ہم میں کیسے پیدا ہوں اور بطور خاص رُحَمَآءُ بَیۡنَھُمۡ کی عملی تصویر کیسے سامنے آئے، اس حوالے سے کرنے والے چند کاموں کا تذکرہ اس کتابچہ میں کیا گیا ہے، اس دعا کے ساتھ کہ اللہ کریم ہمیں خلوص سے ان پر عمل کرنے اور ان کے فوائد کو حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

قابل توجہ خاص نکتہ:

ہر فرد (رفیق) خود اپنے اندر یہ اوصاف پیدا کرنے کی کوشش کرے اور کسی دوسرے سے اس کی توقع نہ رکھے بلکہ اپنا فرض سمجھتے ہوئے اسے خود اختیار کرے فقط اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی رضاجوئی کے لیے۔

باب اول:

اُخوت(۱) کی بنیادیں

اُخوت کی پہلی بنیاد: تعلق مع اللہ

رفقاء میں باہم محبت اور الفت پیدا کرنے کا جذبہ محرّکہ(۲) کیا ہونا چاہیے؟ یہ محبت پائیدار کیسے ہوسکتی ہے؟ یہ وہ سوالات ہیں جو ہر تحریک کے لیے سب سے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔اخوت اور محبت کی بنیاد اگر مضبوط ہوگی تو ایک پائیدار تعلق قائم ہوگا۔اس تمام جدوجہد کی پہلی بنیاد تعلق مع اللہ ہونی چاہیے۔ہماری بنیادی محنت اپنے قلب کو اللہ کے نور سے منور کرنا ہے۔اس کی محبت کو اپنے دل میں بٹھانا ہے۔محبت الٰہی کی وجہ سے دل میں وسعت پیدا ہوتی ہے اور دیگر تمام تعصّبات(۳) اعتدال میں رہتے ہیں۔واضح رہے کہ انسان کو اللہ جل شانہٗ نے دنیا میں مختلف نسبتوں اور ان سے وابستہ(۴) تعلقات میں باندھا ہے۔یہ نسبتیں جذباتی اعتبار سے بھی ہیں اور انتظامی اعتبار سے بھی ہیں۔ان میں نمایاں نسبتیں خاندان، برادری، قوم، زبان، ملک، کاروبار، نوکری وغیرہ کی ہیں۔لیکن اس کے ساتھ ساتھ اگر اللہ جل شانہٗ کی محبت اور دین کی پختہ نسبت نصیب نہ ہو تو یہ چیزیں کئی قسم کے تعصّبات کو جنم دے کر خود دین کے کام میں بھی رکاوٹ بنتی ہیں۔اگر اللہ سے تعلق کا معاملہ، ہماری پہلی ترجیح ہوگا تو پھر تمام رشتوں میں تعلق کے وہ معاملات زیادہ قیمتی ہوں گے جو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے لیے ہیں۔اس لیے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے محبت ہی سب سے زیادہ ضروری ہے جس کی وجہ سے دل میں نور پیدا

(۱) بھائی چارا (۲) آمادۂ عمل کرنے کا جذبہ (۳) طرف داری (۴) جُڑے ہوئے

ہوتا ہے، دل وسیع ہوتا ہے اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے تعلق کی نسبت سے مخلوق سے محبت ہوتی ہے، نہ کہ مختلف نسبتوں کی وجہ سے مثلاً قبیلہ وزبان وغیرہ کی نسبت ہے۔اللہ کی خاطر کی گئی محبت آخرت میں کام آئے گی۔

میدان حشر میں جن سات قسم کے لوگوں کو اللہ کے عرش کا سایہ نصیب ہوگا ان میں سے ایک قسم ان لوگوں کی ہوگی جن کے بارے میں حدیث مبارکہ میں الفاظ آئے ہیں:

وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِي اللهِ اجْتَمَعَا عَلَيْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ

(صحیح بخاری)

”وہ دو بندے جو باہم اللہ کے لیے محبت کرتے ہیں اور اسی محبت پر جمع ہوتے ہیں اور اسی پر بچھڑتے ہیں۔“

اللہ کے لیے محبت کرنے والوں کو خصوصی طور پر آواز دی جائے گی اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ فرمائیں گے:

أَيْنَ الْمُتَحَابُّونَ بِجَلَالِي؛ الْيَوْمَ أُظِلُّهُمْ فِي ظِلِّي يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلِّي

(صحیح مسلم)

”کہاں ہیں میری عزت وجلال کی خاطر باہم محبت کرنے والے؟ آج کے دن میں ان کو اپنے سائے میں جگہ دوں گا جبکہ کوئی اور سایہ نہیں ہے سوائے میرے سائے کے“۔

اُخوت کی دوسری بنیاد: ایمان اور اسلام

قرآن کریم نے ایمان والوں کو آپس میں ایک دوسرے کے بھائی سے تعبیر فرمایا ہے، ارشادِ ربانی ہے:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ (الحجرات:10)

"مومن آپس میں ایک دُوسرے کے بھائی ہیں۔"

نبی اکرم ﷺ نے اخوتِ اسلامیہ اور اُس کے حقوق کے بارے میں ارشاد فرمایا:

اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ، لَا یَظْلِمُهٗ وَلَا یَخْذُلُهٗ، وَلَا یَحْقِرُهٗ ۔ اَلتَّقْوٰی هَاهُنَا وَيُشِيْرُ اِلٰی صَدْرِهٖ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ: بِحَسْبِ امْرِءٍ مِّنَ الشَّرِّ اَنْ يَّحْقِرَ اَخَاهُ الْمُسلِمَ، كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ، دَمُهٗ، وَمَالُهٗ، وَعِرْضُهٗ (مسلم)

"ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، نہ اُس پر خود ظلم کرتا ہے اور نہ اُسے بے یار و مددگار چھوڑتا ہے اور نہ اُسے حقیر جانتا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے اپنے قلبِ مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تین بار یہ الفاظ فرمائے: تقویٰ کی جگہ یہ ہے۔ کسی شخص کے برا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر جانے۔ ہر مسلمان پر دُوسرے مسلمان کا خون، مال اور عزت حرام ہے۔"

گویا کہ اُخوت و محبت کی بنیاد ایمان اور اسلام ہے، یعنی سب کا رب ایک، رسول ایک، کتاب ایک، قبلہ ایک اور دین ایک ہے جو کہ دینِ اسلام ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے اسی ایمان و تقویٰ کو فضیلت کی بنیاد بھی قرار دیا ہے اور یہ بتلا دیا کہ انسان رنگ و نسل اور قوم و قبیلہ کے اعتبار سے نہیں، بلکہ ایمان اور تقویٰ جیسی اعلیٰ صفات سے دوسروں پر فوقیت حاصل کرتا ہے اور قوم و قبیلے صرف تعارف اور جان پہچان کے لیے ہیں۔ ارشادِ خداوندی ہے:

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۝۱۳ (الحجرات:13)

"اے لوگو! ہم نے تمھیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمھیں مختلف

شاخیں اور مختلف قبیلے بنایا، تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو، اللہ کے نزدیک تم میں سب سے بڑا عزت والا وہ ہے جو تم سب میں بڑا پرہیزگار ہے، بے شک اللہ سب کو جانتا ہے اور سب کے حال سے باخبر ہے۔"

مندرجہ بالا آیات و احادیث سے واضح ہے کہ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ نے اُخوت کی بنیاد اسلام اور ایمان کو قرار دیا، کیوں کہ ایمان کی بنیاد مضبوط اور دائمی[۱] ہے، لہٰذا اس بنیاد پر قائم ہونے والی اُخوت کی عمارت بھی مضبوط اور دائمی ہوگی۔ اسلام ایک عالمی دین ہے اور اُس کے ماننے والے عرب ہوں یا عجم، گورے ہوں یا کالے، کسی بھی قوم یا قبیلے سے تعلق رکھتے ہوں، مختلف زبانیں بولنے والے ہوں، سب بھائی بھائی ہیں اور اُن کی اس اُخوت کی بنیاد یہی ایمانی رشتہ ہے اور اس کے بالمقابل دُوسری جتنی اُخوت کی بنیادیں ہیں، وہ سب کمزور ہیں اور اُن کا دائرہ نہایت محدود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کے ابتدائی اور سنہری دور میں جب بھی ان بنیادوں کا آپس میں تقابل و تصادم[۲] ہوا تو اُخوتِ اسلامیہ کی بنیاد ہمیشہ غالب رہی۔ آج بھی مشرق و مغرب اور دُنیا کے گوشے گوشے سے آئے ہوئے مسلمان جب موسمِ حج میں سرزمینِ مقدس حرمین شریفین میں جمع ہوتے ہیں تو ایک دُوسرے سے اس گرم جوشی سے ملتے ہیں جیسے برسوں سے ایک دُوسرے کو جانتے ہوں، بلکہ بعضوں کو اس مسرت سے روتے ہوئے بھی دیکھا گیا ہے کہ حیرانی ہوتی ہے۔ حالاں کہ اُن کی زبانیں، اُن کے رنگ اور اُن کی عادات مختلف ہوتی ہیں، لیکن اس سب کے باوجود جو چیز اُن کے دلوں کو مضبوطی سے جوڑے ہوئے ہے، وہ ایمان اور اسلام کی مضبوط رسی ہے۔ اُمت میں اُخوتِ اسلامی پیدا کرنے کے لیے محبت، اخلاص، وحدت اور خیرخواہی جیسی صفات لازمی ہیں، جو اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑی نعمت شمار ہوتی ہیں۔

(۱) مستقل (۲) بالمقابل ہونا

اُخوت کی تیسری بنیاد: محبت اور الفت

اخوت کے جذبے کو بیدار کرنے کے لیے تیسری بنیاد ہے محبت اور الفت کو پیدا کرنا۔ گہرے اور دائمی قلبی میلان کو محبت کہا جاتا ہے۔ یہ ایک ایسا جذبہ ہے جس کے زیر اثر انسان تمام مشکلات میں اپنے محبوب کے لیے ایثار کرتا ہے۔

محبت کی دو قسمیں ہیں:

ایک طبعی محبت جو تمام جانداروں میں ہوتی ہے اور دوسری اختیاری جو صرف انسان میں رکھی گئی ہے۔

ایمان والے سب سے زیادہ محبت اللہ تعالیٰ سے کرتے ہیں:

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ط (البقرة:165)

(جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ اللہ کی محبت میں انتہائی شدید ہیں)۔

اللہ سے محبت کا تقاضا ہے کہ انسان ہر اس چیز سے محبت کرے جسے اللہ پسند کرتا ہے پس ان لوگوں اور اعمال سے محبت کرنا جن سے اللہ محبت کرتا ہے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے کامل محبت کی نشانی ہے۔

جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے ہمیں دعا بھی سکھائی ہے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ یُّحِبُّكَ وَالْعَمَلَ الَّذِیْ یُبَلِّغُنِیْ حُبَّكَ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ نَفْسِیْ وَاَھْلِیْ وَمِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ (سنن الترمذی)

"اے اللہ! میں تجھ سے تیری اور ہر اس شخص کی محبت مانگتا ہوں جو تجھ سے محبت کرتا ہے۔ پھر ہر وہ عمل جو مجھے تیری محبت تک پہنچائے۔ اے اللہ! میرے لیے اپنی محبت کو میری جان و مال، اہل و عیال اور ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ عزیز کردے۔"

اسی طرح اللہ کی کتاب، اس کے اسماء وصفات، اس کے فرشتوں، اس کے نبیوں اور دیگر نیک انسانوں سے محبت کرنا بھی اللہ سے محبت ہی کا ایک ثمرہ ہے۔ ان سے محبت کرنے سے اللہ کی محبت انسان کے لیے واجب ہو جاتی ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَا تَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰی تُؤْمِنُوْا وَلَا تُؤْمِنُوْا حَتّٰی تَحَآبُّوْا (صحیح مسلم)

"مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم جنت میں نہیں داخل ہو سکتے جب تک ایمان والے نہ بن جاؤ اور تم ایمان والے اس وقت تک نہیں بن سکتے جب تک آپس میں محبت نہ کرنے لگو۔"

عبداللہ بن عمرؓ مقامات حج پر یہ دعا مانگا کرتے تھے

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ اُحِبُّكَ وَاُحِبُّ مَلَآئِكَتَكَ وَاَنْبِیَآئَكَ وَعِبَادَكَ الصّٰلِحِیْنَ اَللّٰھُمَّ حَبِّبْنِیْ اِلَیْكَ وَاِلٰی مَلَآئِكَتِكَ وَاَنْبِیَآئِكَ وَعِبَادِكَ الصّٰلِحِیْنَ (قاعدہ فی المحبہ)

''اے اللہ! مجھے ایسا بنا دے کہ میں تجھ سے محبت کروں اور تیرے فرشتوں اور تیرے انبیاء اور تیرے نیک بندوں سے محبت کروں اور اے اللہ! مجھے اپنا محبوب بنا لے اور مجھے اپنے فرشتوں، اپنے نبیوں اور اپنے نیک لوگوں کے نزدیک محبوب بنا دے''۔

واضح رہے کہ انسان کو محبت فی اللہ کا اجر اس وقت تک نہ ملے گا جب تک اس کی نیت خالص نہ ہوگی۔ مراد یہ ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں سے محبت کرتے وقت یہ نیت بھی رکھے کہ وہ یہ محبت اللہ ہی کے لیے کر رہا ہے اور اس سے مقصود اللہ کی رضا اور اس کی خوشنودی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ (متفق علیه)

"اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے"

اور دوسری روایت میں ہے

لَا يَجِدُ أَحَدٌ حَلَاوَةَ الْإِيمَانِ حَتّٰى يُحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلّٰهِ

(صحیح بخاری)

''کوئی بھی ایمان کی حلاوت نہیں پا سکتا جب تک کہ وہ جس شخص سے بھی محبت کرے تو اللہ ہی کے لیے کرے''۔

اللہ کے لیے محبت کرنے والوں کو اللہ کی محبت ملتی ہے حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَجَبَتْ مَحَبَّتِي لِلْمُتَحَابِّيْنَ فِيَّ (موطا امام مالک)

''میری محبت ان لوگوں کے لیے لازم ہوجاتی ہے جو میری وجہ سے باہم محبت کرتے ہیں''

اُخوت کی چوتھی بنیاد: خیرخواہی

اہل ایمان ایک جسم کی طرح ہیں۔ اہل ایمان کے بارے خیر خبر رکھنا اور انھیں اپنی ذات سے نفع پہنچانے کی تدابیر اختیار کرنا، مخلوق سے خدمت اور دعا کا تعلق پیدا کرنے کی کوشش کرنا اور ان کے پاس موجود چیزوں سے حتی الوسع استغناء [۱] اختیار کرنا۔ ہمیں یہ صفات اپنے اندر پیدا کرنی چاہیے، اور یہ حقیقت بھی واضح رہے کہ اکثر تابعینؒ زیادہ سے زیادہ بھائی بنانے کو مستحب سمجھتے تھے۔

بعض کتابوں میں یہ قول بھی ملتا ہے اَلْمَرْءُ كَثِيْرٌ بِأَخِيْهِ " آدمی اپنے بھائیوں کی وجہ

(۱) بے پرواہونا

سے کثیر ہوجاتا ہے''۔

حسن بصریؒ کا قول ہے: ''آدمی کے کتنے ہی بھائی ایسے ہوتے ہیں جنہیں اس کی ماں نے نہیں جنا ہوتا"۔ بعض بزرگوں کا قول ہے: "جہاں تک ہوسکے زیادہ سے زیادہ بھائی بناؤ کیونکہ ہر مومن کو قیامت والے دن شفاعت کا اذن دیا جائے گا ہوسکتا ہے تیرا کوئی بھائی تجھے اپنی شفاعت میں داخل کرلے"۔

شیخ سعدیؒ کہتے ہیں: "میں کہیں سے گزر رہا تھا۔ دیکھا ایک نوجوان آگے آگے جارہا ہے اور ہرن کا بچہ اس کے پیچھے پیچھے چل رہا ہے۔ میں سمجھا شاید اس نوجوان نے اسے رسی سے باندھ رکھا ہے جب ہی یہ پیچھے چل رہا ہے، لیکن مجھے بڑی حیرت ہوئی جب غور سے دیکھا اور کوئی رسّی نظر نہ آئی۔ میں نے نوجوان سے پوچھا: برخوردار! یہ ایسا جانور ہے جو انسان کی شکل دیکھ کر گھبرا جاتا ہے لیکن یہ تم سے اس قدر مانوس [۱] ہوگیا اس کی وجہ کیا ہے؟ نوجوان نے کہا: میں اس کی غذا کی فکر میں لگا رہتا ہوں۔ اسے کھلاتا پلاتا ہوں، یہی وہ احسان ہے جس نے اسے میرے ساتھ باندھ رکھا ہے"۔ شیخ سعدیؒ کہتے ہیں، میں نے سوچا: ''بات سچ ہے۔ احسان اور نیکی کی مثال تو ایک ایسی مضبوط رسّی کی طرح ہے۔ جو درندوں اور جانوروں کو بھی فرماں بردار اور وفادار بنا دیتی ہیں اور پھر انھیں باندھ کر رکھنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ پھر اگر کسی انسان کے ساتھ احسان کیا جائے تو وہ کیوں دوست نہ بن جائے؟''

یہ بات بھی واضح رہے اگر ہماری زندگیوں میں اَشِدَّآءُ عَلَی الْكُفَّارِ (الفتح:29) کا معاملہ کمزور ہے، یعنی اگر ہمارے دلوں میں ان کے حوالے سے کچھ نرمی ہے تو رُحَمَآءُ بَيۡنَهُمۡ (الفتح:29) کا معاملہ بھی ٹھیک ہو ہی نہیں سکتا۔

کفار سے اگر دوستیاں ہیں تو دل میں مومنین کے لیے جگہ کیسے پیدا ہوسکتی ہے۔ مومن کے لیے تو یہ غیرتِ دینی کا تقاضہ ہے۔

(۱) راغب

اُخوت کی پانچویں بنیاد: فکری پختگی

دینی اجتماعیت میں شامل ہونے والے رفقاء میں اخوت اور محبت کو مستحکم[۱] کرنے کی پانچویں بنیاد فکری پختگی ہے۔ رفقاء تنظیم میں شامل کیوں ہیں؟ کیا تمام رفقاء فکری طور پر منظم ہیں؟ کیا ان پر فرائض دینی کا جامع تصور واضح ہے؟ اگر تمام رفقاء فکری طور پر یکسو[۲] نہیں ہیں اور ان کے ذہنوں میں اجتماعیت میں شامل ہونے کے مقاصد واضح نہیں ہیں تو اس کا اثر لازماً رفقاء کے باہمی تعلق پر بھی پڑے گا۔ بہت سے حضرات کسی بھی اجتماعیت میں جذباتی طور پر شامل ہوجاتے ہیں البتہ کچھ عرصے بعد تربیت کے مراحل سے گزر کر فکری پختگی حاصل ہوجاتی ہے۔ تنظیم میں شامل ہونے کا واحد مقصد اپنی دینی ذمہ داریوں کو ادا کرنا ہے تاکہ آخرت میں ہم اللہ تعالیٰ کی رضا اور اُخروی نجات کے حق دار بن جائیں۔ تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کی ذمہ داری بغیر اجتماعیت کے ادا ہو ہی نہیں سکتی۔ اس حوالے سے ہر رفیق میرا معاون ہے۔ اس کی معاونت کے بغیر میں اپنی دینی ذمہ داری ادا نہیں کرسکتا۔ اس انداز میں اگر سوچا جائے گا تو ہر رفیق قیمتی ہوجائے گا۔

(۱) مضبوط (۲) مطمئن

باب دوم:

محبت افزا[۱] ذرائع واسباب

یہ بات واضح رہے کہ اگر وہ وسائل[۲] اختیار کیے جائیں جن سے محبت پیدا ہوتی ہے یا بڑھتی ہے تو محبت پیدا بھی ہوگی اور بڑھے گی بھی ان شاء اللہ۔ اور اگر ان وسائل واسباب کو اختیار نہ کیا جائے تو محبت کی پیدائش وافزائش نہیں ہوگی۔ لہٰذا کسی بھی اجتماعیت میں رفقاء کے درمیان محبت پیدا کرنے کے لیے محبت افزا امور کے اختیار واہتمام کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان امور کو اختیار کرنے سے تعلقات میں استحکام[۳] نصیب ہوتا ہے اور الفت ومحبت میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔

مزید برآں[۴] رفقاء کے دل ایک دوسرے کے قریب اس طرح ہوجاتے ہیں جیسے ایک ہاتھ کی دو انگلیاں۔ ان میں سے کچھ امور فرائض یا حقوق کے درجے کے ہیں اور کچھ اُمور فضائل[۵] یا ترغیب[۶] کے ضمن میں آتے ہیں۔

درج ذیل صفحات میں قرآن وسنت کی روشنی میں ان میں سے چند امور کی نشاندہی کی گئی ہے۔

1۔ تعارف

قرآن حکیم کی رُو سے انسانوں کی کنبوں اور قبیلوں میں تقسیم کی غرض ہی باہمی تعارف ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۱) محبت بڑھانے والے (۲) ذرائع (۳) مضبوطی (۴) اس پر مزید (۵) خوبیاں (۶) شوق دلانا

وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ (الحجرات:13)

"ہم نے تمھیں مختلف قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کر دیا ہے تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو"۔

باہمی تعارف ایک بنیادی انسانی ضرورت ہے۔ یہ کسی بھی شخص سے اجنبیت ختم کرنے کا انتہائی مفید ذریعہ ہے۔

نبی کریم ﷺ نے تعارف کی ترغیب دیتے ہوئے اس کے محبت افزا ہونے کی طرف اشارہ فرمایا۔

ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

اِذَا اٰخَى الرَّجُلُ الرَّجُلَ فَلْيَسْأَلْهُ عَنِ اسْمِهٖ وَاَبِيْهِ وَمِمَّنْ هُوَ فَاِنَّهٗ اَوْصَلُ لِلْمَوَدَّةِ (سنن الترمذی)

"جب ایک آدمی دوسرے کو اپنا بھائی بنائے تو اسے چاہیے کہ وہ اس سے اس کا اور اس کے والد کا نام معلوم کرے اور یہ بھی پوچھے کہ وہ کس قبیلے سے ہے۔ پس یہ (تعارف) محبت کو خوب پیدا کرنے والا ہے"۔

رفقاء سے تعارف رسمی اور غیر رسمی دونوں انداز میں حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اجتماعات اور تربیتی کورسز میں رسمی انداز میں اس کا اہتمام کیا جانا چاہیے۔ البتہ غیر رسمی انداز، تعارف اور قربت پیدا کرنے میں انتہائی مفید ثابت ہوتا ہے۔ تعارف حاصل کرنے کے چند غیر رسمی طریقے درج ذیل ہیں:

- اجتماعات اور کورسز میں وقفوں کے دوران
- فون نمبر حاصل کر کے
- ذاتی ملاقات کر کے
- سفر کے دوران وغیرہ وغیرہ۔

ذمہ داران اگر نقباء ڈائری کو درست طریقہ سے استعمال کرنے کا اہتمام کریں تو ان کے لیے اپنے ماتحت رفقاء کا تعارف لینا ناگزیر[1] ہو جائے گا۔

عمر بن خطاب ؓ فرماتے ہیں میں لوگوں کی ایک کثیر تعداد سے اللہ کے لیے محبت کرتا ہوں اور ان سب کو ان کے نام، ان کے والد اور قبیلے کے نام سے جانتا ہوں اور ان کے گھر کی جگہ سے بھی واقف ہوں، راوی کہتے ہیں کہ میں جانتا ہوں کہ حضرت عمر ؓ ان کی ملاقات کو جایا کرتے تھے اور وہ ان کی ملاقات کو آیا کرتے تھے۔

2۔ اظہارِ محبت

جب انسان کے دل میں اپنے بھائی کے لیے محبت موجود ہو، تو یہ محبت اپنے اظہار کی بھی متقاضی[2] ہوتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِذَا اَحَبَّ اَحَدُكُمْ اَخَاهُ فَلْيُعْلِمْهُ اِيَّاهُ (سنن ترمذی)

"جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی سے محبت کرے تو اسے چاہیے کہ اسے بتا دے"۔

نبی کریم ﷺ خود بھی اس کا اہتمام فرمایا کرتے تھے۔

ایک بار آپ ﷺ نے سیدنا معاذ ابن جبل ؓ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر فرمایا:

يَا مُعَاذُ وَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاُحِبُّكَ "اے معاذ! اللہ کی قسم مجھے تم سے محبت ہے"۔

محبت کے اظہار سے ہمیشہ دو فائدے حاصل ہوتے ہیں، ایک تو یہ کہ اظہار کرنے والے کے جذبات میں ہمیشہ تازگی اور حرارت رہتی ہے۔ اگر جذبات کا صحیح وقت پر اظہار نہ کیا جائے تو جذبات کچھ مردہ ہو جاتے ہیں اور آہستہ آہستہ یہ تنزلی[3] کا بھی شکار ہو جاتے ہیں۔ دوسرا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ دوسرے شخص کو جب اس چیز کا احساس ہوتا ہے کہ میرا بھائی اپنے دل میں میرے لیے کتنے پاکیزہ جذبات رکھتا ہے تو لامحالہ[4] اس کے دل پر بھی بہت

(۱) ضروری (۲) تقاضا کرنے والی (۳) کمی (۴) یقیناً

مثبت اثر پڑتا ہے۔

اظہارِ محبت کے لیے کوئی بھی طریقہ اختیار کیا جا سکتا ہے، اشارے کنائے میں بھی بتایا جا سکتا ہے، مثلاً آپ کو دیکھ کر بڑی راحت[۱] ہوتی ہے یا یہ کہ آپ کو دیکھ کر قرار[۲] آتا ہے، کافی دنوں سے آپ کی یاد ستا رہی ہے وغیرہ وغیرہ۔

عبداللہ بن مسعودؓ کے بارے میں روایت کیا گیا ہے کہ وہ ایک دن اپنے ساتھیوں کے پاس آئے تو ان سے یوں مخاطب ہوئے

أَنْتُمْ جَلَآءُ حُزْنِي

"تم میرے دکھوں کا مداوا[۳] ہو۔"

صریح[۴] الفاظ کے ساتھ بھی محبت کا اِظہار جائز ہے البتہ اپنے احوال وظروف کو مدنظر رکھنا چاہیے۔ اسی طرح باہمی محبت میں خوب گرم جوشی کا مظاہرہ بھی کرنا چاہیے۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے۔

"اللہ کے لیے دو محبت کرنے والوں میں سے افضل وہ ہوتا ہے جو اپنے بھائی سے زیادہ محبت کرتا ہے"۔ (شعب الایمان)

3۔ دعا

دعا کا اہتمام دو انداز سے ہوسکتا ہے۔ ایک انداز تو ہے رُوبرُو[۵] اور ایک ہے پسِ پشت[۶]۔ رُوبرو انداز میں سلام کرنا یا اس کا جواب دینا، چھینک کا جواب دینا، کسی خیرخواہی کے نتیجے میں شکریہ ادا کرنا شامل ہیں۔ ان کی اہمیت اور وضاحت ان شاء اللہ آگے آرہی ہے۔ البتہ اس وقت پسِ پشت دعا کرنے کی اہمیت کو واضح کرنا مطلوب ہے۔ ایک بات مسلّم[۷] ہے کہ تنہائی میں صرف انہی لوگوں کے لیے دعا کا اہتمام کیا جاتا ہے جن سے ہمیں قلبی

(۱) مسرت (۲) سکون (۳) علاج (۴) واضح (۵) آمنے سامنے (۶) پیٹھ پیچھے (۷) تسلیم شدہ

وابستگی[۱] ہو۔ جیسے کوئی انسان اپنی اولاد اور والدین کو اپنی دعاؤں سے دور نہیں کر سکتا۔ اس لحاظ سے رفقاء کی غیر موجودگی میں ان کے لیے دعا کا اہتمام کرنا چاہیے اور ان سے اپنے لیے دعا کی درخواست بھی کرنا چاہیے۔ ایسی دعا نہ صرف ساتھیوں کے لیے نفع بخش ہے، بلکہ خود دعا کرنے والے کے لیے بھی فائدہ مند ہے۔ اس سے دل میں خیرخواہی[۲] کے جذبات کو جِلاء[۳] ملتی ہے، دلوں کی کدورتیں دور ہوتی ہیں۔

صفوان بن عبداللہ تابعی اپنے سسر ابوالدرداءؓ سے ملاقات کے لیے گئے اور ام درداءؓ کے پوچھنے پر بتایا کہ میں حج پر جارہا ہوں۔ اس پر وہ بولیں کہ ہمارے لیے اللہ سے خیر کی دعا کرتے رہنا کیونکہ نبی اکرم ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ:

"بندۂ مسلم کی اپنے بھائی کے لیے اس کے پسِ پشت مانگی ہوئی دعا قبول کی جاتی ہے، اور بوقتِ دعا اللہ کی طرف سے ایک فرشتہ مقرر کیا جاتا ہے۔ جب بھی وہ دعائے خیر کرتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے آمین اور اللہ تجھے بھی ایسا ہی دے"۔

(صحیح مسلم)

سیدنا عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے عمرے پر جانے کی اجازت مانگی تو آپ ﷺ نے اجازت دیتے ہوئے فرمایا:

لَا تَنْسَنَا يَا أُخَيَّ مِنْ دُعَائِكَ

"اے میرے بھائی! ہمیں اپنی دعاؤں کے وقت فراموش نہ کر دینا"۔

حضرت عمرؓ کہتے ہیں اس جملے نے مجھے اتنی خوشی دی کہ مجھے اس کے بدلے پوری دنیا مل جانا بھی منظور نہیں۔ (سنن ابی داؤد)

ذمہ داران اور رفقاء کو اپنے ساتھی رفقاء کا نام لے لے کر دعا کرنے کا اہتمام کرنا

(۱) دلی تعلق (۲) بھلائی چاہنا (۳) اضافہ

چاہیے۔ دعا محبت کا litmus test (۱) ہے۔ ایک دفعہ ایک ذمہ دار کی طرف سے بات آئی کہ میں عشاء کی نماز کے بعد اپنے اسرے کے کسی ایک رفیق کے لیے دو رکعت نفل کا اہتمام کرتا ہوں۔ اگر دلوں میں ایک دوسرے کے لیے کُدورت (۲) پیدا ہو رہی ہے تو خصوصی دعا کے اہتمام کے ساتھ صدقہ کا بھی اہتمام کیا جاسکتا ہے۔ ان شاء اللہ اس کے ذریعہ سے دلوں کی کدورت میں کمی واقع ہوگی۔

4۔ ملاقات ومجالست (۳)

اخوت اور محبت کے بنیادی تقاضوں میں سے ہے کہ جس شخص سے انسان محبت کرتا ہے اس سے زیادہ سے زیادہ ملے اور صحبت اختیار کرے۔ ساتھیوں کی ملاقات کو جانا اتنا اہم اور محبت افزا ہے کہ احادیث میں خود اس عمل کو باعثِ ثواب بتایا گیا ہے۔ سیدنا معاذ بن جبلؓ روایت کرتے ہیں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ اللہ فرماتے ہیں:

وَجَبَتْ مَحَبَّتِیْ لِلْمُتَحَآبِّیْنَ فِیَّ وَالْمُتَجَالِسِیْنَ فِیَّ وَالْمُتَزَاوِرِیْنَ فِیَّ وَالْمُتَبَاذِلِیْنَ فِیَّ (موطا امام مالک)

"میری محبت واجب ہوگئی ان لوگوں کے لیے جو باہم میری وجہ سے محبت کرتے ہیں، اور میری وجہ سے باہم مل بیٹھتے ہیں اور میری وجہ سے ایک دوسرے کی ملاقات کو جاتے ہیں اور میری وجہ سے باہم ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں"۔

سلیمان الدارانیؒ فرماتے ہیں، لوگ باہم بھائی نہیں بن سکتے یہاں تک کہ ایک دوسرے کی زیارت کو نہ جائیں اور ایک دوسرے پر خرچ نہ کریں۔

(الاخوان لابی ابن الدنیا)

(۱) تصدیقی ٹسٹ (۲) رنجش (۳) باہم مل کر بیٹھنا

الحمدللہ تنظیم اسلامی رفقاء کو باہم ملنے جلنے کے بہت سے رسمی مواقع فراہم کرتی ہے۔ جن میں اجتماعِ اسرہ، ماہانہ وسہ ماہی تربیتی اجتماعات، تربیتی کورسز، مہمّات ومظاہرے اور انتظامی و مشاورتی اجتماعات شامل ہیں۔ یہ اجتماعات باہم ملاقات کے لیے نہایت مفید ثابت ہوتے ہیں۔ البتہ غیر رسمی ملاقات کی ہمیشہ ایک الگ ہی تاثیر ہوتی ہے۔

غیر رسمی ملاقات کے بہت سے مواقع ہم خود پیدا کر سکتے ہیں مثلاً

- گھروں میں ملاقات کے لیے جانا
- رفقاء کو کھانے یا چائے کی دعوت دینا
- ایک دوسرے کے گھر والوں کی دعوت کرنا
- دکان یا دفتر میں ملاقات کے لیے جانا
- باجماعت نمازوں کے دوران وغیرہ وغیرہ۔

صحابہ کرامؓ باہمی ملاقات کا خاص اہتمام کیا کرتے تھے۔ سیدنا عبداللہ ابن مسعودؓ کہتے ہیں "ہم جب اپنے کسی بھائی کو غائب پاتے تھے تو ہم اس کے پاس جاتے تھے۔ اگر خدانخواستہ وہ بیمار ہوتا تھا تو اس کی عیادت کے لیے اور اگر وہ کسی کام میں مصروف ہوتا تو اس کی مدد کے لیے اور اگر ان میں سے کوئی بات نہ ہوتی تو ویسے ہی اس کی ملاقات کو چلے جاتے تھے"۔ اگر کوئی نیا رفیق تنظیم میں شامل ہو تو مقامی اُسرے سے ہٹ کر بھی ذمہ داران اور رفقاء اس سے ملاقات کا اہتمام کریں۔ مزید برآں ذمہ داران کو ہر مہینے کم از کم اپنے اُسرہ کے دو رفقاء سے تفصیلی ملاقات کا اہتمام کرنا چاہیے۔ زیارت وملاقات میں اعتدال کا مظاہرہ بھی کرنا چاہیے۔ بہت زیادہ ملاقاتیں اور آنا جانا انسان کے لیے بوجھ بھی بن جاتا ہے اور محبت بھی کم ہو جاتی ہے۔

اہل عرب کا ایک مقولہ ہے،

زُرْ غِبًّا تَزْدَدْ حُبًّا

وقفے وقفے سے ملاقات کرو یہ چیز محبت کو بڑھادے گی۔

5۔ بشاشت اور مسکراہٹ

بوقتِ ملاقات بشاشت اور مسکراہٹ کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔انسان نہ تو غم کو پسند کرتا ہے اور نہ ہی غمگین انسان کو۔ بلکہ وہ خوش وخرم لوگوں کو پسند کرتا ہے۔اگرچہ انسان کسی وجہ سے غمگین ہی ہوتب بھی اسے اپنے ساتھیوں کے سامنے خوشی وفرحت کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ نبی اکرم ﷺ بھی ساتھیوں کی حوصلہ افزائی کے لیے خوشی کا مظاہرہ کرتے تھے۔

عبداللہ بن حارثؓ فرماتے ہیں:

”میں نے نبی اکرم ﷺ سے زیادہ مسکرانے والا کوئی نہیں دیکھا“۔(سنن الترمذی)

قیس بن جریرؓ روایت کرتے ہیں، جب سے میں مسلمان ہوا ہوں نبی اکرم ﷺ نے مجھ سے کبھی ملنے سے انکار نہیں کیا اور آپ نے جب بھی مجھے دیکھا تو میری طرف دیکھ کر ضرور مسکرائے۔ (بخاری)

نبی ﷺ نے مسکراہٹ کو نیکی قرار دیا اور فرمایا:”اپنے بھائی کے سامنے تمھارا مسکرانا بھی صدقہ ہے“ مزید فرمایا:”کسی نیکی کو حقیر[۱] نہ سمجھو چاہے اپنے بھائی کے ساتھ مسکراتے چہرے کے ساتھ ملنے کا ہی معاملہ کیوں نہ ہو“۔

6۔ رابطہ قائم رکھنا

آج کے دور میں رابطہ کا مطلب Message کرنا ہے۔Messages یاددہانی کے لیے تو مفید ثابت ہوتے ہیں مگر یہ رابطہ کی بنیاد نہیں بن سکتے۔ ذمہ داران کے لیے ذاتی رابطہ کا

(۱)معمولی

ایک مضبوط نظام بنانا ناگزیر[۱] ہے۔شاید یہ امیر حلقہ اور مقامی امیر کے لیے مشکل ہو مگر نقیبِ اُسرہ کے لیے یہ کچھ مشکل نہیں۔

7۔ غمی اور خوشی میں شریک ہونا

حضور ﷺ کے فرمان کے مطابق”تم مومنوں کو رحم دلی، الفت ولگاؤ اور باہم تکلیف کے احساس میں ایسا پاؤ گے جیسے ایک جسم۔ اگر ایک عضو بیمار پڑ جائے تو پورا جسم اس کے بخار اور شب بیداری کے ذریعہ شرکت کرتا ہے“۔مسلمانوں کی اجتماعیت میں اس تعلق کو برقرار رکھنا ناگزیر ہے۔ہمیں ایک دوسرے کی خوشی اور غمی کا احساس اِس درجے کا ہونا چاہیے، گویا کہ وہ ہماری اپنی خوشی اور غمی ہے۔

ایک اور روایت میں مومن کی مثال معاشرے میں ایسی ہے جیسے جسم میں سر۔ جب سر میں درد ہوتا ہے تو پورا وجود اس کی شدت کو محسوس کرتا ہے۔اصل میں اسی طرح کا تعلق مطلوب ہے۔

آج کے دور میں چونکہ ذاتی رابطہ میں بہت فقدان[۲] آ گیا ہے اس وجہ سے بعض دفعہ ہمیں ایک دوسرے کے حالات کا علم نہیں ہوتا۔ جتنا ذاتی رابطہ مضبوط ہوگا اتنا ہی ہم اپنے رفقاء کے موجودہ حالات سے باخبر ہوں گے اور خوشی اور غمی کے حالات میں شریک ہوسکیں گے۔مثلاً خوشی کے بعض اہم مواقع ہیں شادی بیاہ، اولاد کی پیدائش، ترقی، بچوں کا پاس ہونا وغیرہ۔ البتہ غمی کے انسانوں پر زیادہ اثرات ہوتے ہیں اس وجہ سے ان مواقع پر رفقاء کی ذمہ داری بھی زیادہ ہوجاتی ہے۔

غمی کے بعض اہم مواقع درج ذیل ہیں:

(۱)ضروری (۲)نہ ہونا، کمی

- گھر میں فوتیدگی
- بیماری (اپنی یا اہل وعیال میں سے کسی کی)
- حادثہ
- ملازمت کا چلے جانا
- کاروباری نقصان ہونا
- طلاق کے معاملات وغیرہ وغیرہ۔

ان مواقع پر انفرادی طور پر بھی اور نظم کی طرف سے بھی خصوصی مُعاوَنَت [۱] کی جانی چاہیے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا عبداللہ ابن مسعودؓ کو اپنے بھائی اور دوست کے بارے میں نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

”پس اگر وہ بیمار ہو تو اس کی عیادت [۲] کو جاؤ، اگر اسے کوئی ضرورت لاحق ہو تو اس کی مدد کرو اور اگر کہیں وہ باہر گیا ہو تو اس کے اہل وعیال کا خیال رکھو“۔

8۔ عیادت

اس میں کوئی شک نہیں کہ صحت اور بیماری زندگی کا حصہ ہیں، کبھی انسان بھرپور صحت سے لطف اندوز ہوتا ہے تو کبھی بیماری میں مبتلا ہو کر صبر وشکر کرتے ہوئے گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔

جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”مسلمان کو پہنچنے والا کوئی دُکھ، تکلیف، غم، ملال [۳]، اَذِیَّت [۴] اور درد ایسا

(۱) مدد (۲) بیمار پُرسی (۳) رنج (۴) تکلیف

نہیں، خواہ اس کے پیر میں کانٹا ہی چبھے مگر اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے“۔ (بخاری)

دین ہمیں جس طرح خوشیوں میں دوسروں کا ساتھ دے کر ان کی خوشیاں بڑھانے کی ترغیب [۱] دیتا ہے اسی طرح غم کی کالی اور تاریک گھٹاؤں میں دوسروں پر سائبان تاننے کی بھی تعلیم دیتا ہے۔ دوسروں کے درد کو اپنا درد سمجھنے اور اس کا احساس کرنے کی حقیقی تصویر عیادت کی صورت میں نظر آتی ہے۔ یقیناً ایک مسلمان کا دوسروں کی تکلیف کا احساس کر کے، دل جُوئی [۲] اور دل داری [۳] کی خاطر اپنی مصروفیات میں سے وقت نکال کر عیادت کے لیے جانے میں اُس فرمانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عملی اظہار ہوتا ہے کہ جس میں تمام مسلمانوں کو ایک عمارت کی مانند قرار دیا گیا ہے (مسلم)۔ مریض کی عیادت پر مشتمل اسلامی تعلیمات اس بات کی عکاسی کرتی ہیں کہ اسلام نے اپنے ماننے والوں کو کسی بھی حال میں تنہا نہیں چھوڑا۔ پھر یہ دین کی پُر اثر تعلیمات ہی ہیں کہ جن میں عیادتِ مریض کو اخلاقیات میں اعلیٰ درجہ دینے کے ساتھ ساتھ اس میں کئی اُخروی فوائد بھی رکھے گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”ایک مسلمان جب اپنے دوسرے مسلمان بھائی کی عیادت کو گیا تو واپس ہونے تک جنت کے پھل چننے میں رہا“۔ (مسلم)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزید فرمایا:

”جو مسلمان کسی مسلمان کی عیادت کے لیے صبح کو جائے تو شام تک اور شام کو جائے تو صبح تک ستر ہزار فرشتے اس کے لیے استغفار کرتے ہیں اور اس کے لیے

(۱) شوق دلانا (۲) تسلی (۳) تسلی دینا

جنت میں ایک باغ ہوگا“۔ (ترمذی)

ہم جب بھی اپنے رفقاء کی عیادت کے لیے جائیں تو چند آداب کا ضرور خیال رکھیں:

- عیادت کے وقت رفیق کو صبر کی تلقین کیجیے۔
- یاد ہوں تو ایسی احادیث سنایئے جن میں یہ ذکر ہے کہ بیماری گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے۔
- رفیق کو توبہ و استغفار اور اللہ پاک کو یاد کرنے اور حالتِ مرض میں نماز پڑھنے کی تلقین کیجیے۔
- جو عبادات وہ کرسکتا ہو اُن عبادات کو کرنے کی تلقین کیجیے۔
- عیادت کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ علاج کے لیے حسبِ حیثیت کچھ رقم بھی نذر کی جائے یہی اَنۡسَب (زیادہ بہتر) ہے۔
- مریض کے حال کے مناسب کچھ کھانے پینے کی چیزیں مثلاً پھل وغیرہ لے جائیں۔
- مریض اپنے مرض کی وجہ سے جن دنیاوی کاموں اور ذمہ داریوں کو پورا نہ کرسکے، ان میں بھی حتّی المقدور تعاون کیا جائے۔
- عیادت میں اتنی دیر نہ بیٹھا جائے کہ بیمار رفیق یا اس کے اہلِ خانہ تنگ آجائیں۔
- مزید برآں دورانِ ملاقات مریض سے تسلی آمیز کلمات کہے جائیں اور ایسی باتیں کی جائیں جن سے وہ خوش ہو اور اس کا دل بہلے۔

9۔ کثرتِ سلام

دین اسلام نے سلام کو ایک معیّن[1] صورت دے کر اسے بھی ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر حقوق میں شامل کر دیا ہے۔

حضور ﷺ نے مدینہ آکر پہلا خطبہ ارشاد فرمایا تو چار باتوں کی ہدایت دی ان میں سے ایک ہدایت یہ بھی تھی کہ:

اَیُّھَا النَّاسُ اَفْشُوا السَّلَامَ

”اے لوگو! سلام کو پھیلاؤ“۔

سلام کرنے کا معاملہ دوطرفہ ہے، اس کے ذریعہ باہمی نیک جذبات کا اظہار بھی ہوتا ہے اور اپنے بھائی کے لیے دعا کا اہتمام بھی ہوجاتا ہے۔ ملاقات کے موقع پر سلام کا اہتمام محبت پیدا کرنے کا اہم ذریعہ ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے محبت باہمی کی اہمیت واضح کرنے کے بعد فرمایا:

”کیا میں تمھیں وہ کام نہ بتادوں جب تم وہ کرنے لگو تو آپس میں محبت کرنے لگو گے، باہم سلام کو پھیلاؤ“۔ (مسلم)

اسلامی تعلیمات کے مطابق ہر چھوٹے بڑے، واقف و ناواقف کو سلام کرنا چاہیے، اور سلام کا جواب مزید بہتر الفاظ کے ساتھ دینا چاہیے۔

آج کے دور میں صرف جان پہچان کے لوگوں کو سلام کرنے کا رواج عام ہوتا جارہا ہے۔ یہی معاملہ اجتماعات کے دوران بھی ہوجاتا ہے کہ صرف ان ہی لوگوں کو سلام کیا جاتا ہے جن کا تعارف حاصل ہے۔ اس کے برعکس اپنے ہر مسلمان بھائی کو سلام کرنے کے رواج کو عام کرنے کی ضرورت ہے اور ہر رفیق کو آگے بڑھ کر سلام میں پہل کرنے کی کوشش کرنی

(۱) مقررہ

چاہیے۔الحمدللہ اس امر پر تنظیم کے اجتماعات میں خصوصی توجہ بھی دی جاتی ہے اور رفقاء اس کا اہتمام بھی کرتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

”سلام میں پہل کرنے والا تکبر سے بری[۱] ہوجاتا ہے۔“ (شعب الایمان)

10۔ مصافحہ

سلام کے بعد دوسری چیز جو ملاقات کے وقت اپنے جذباتِ محبت کے اظہار کے لیے رسول اللہ ﷺ نے بتائی وہ مصافحہ ہے۔

حضرت انسؓ سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں مصافحہ کا رواج تھا؟ انھوں نے جواب دیا ”ہاں“۔

سیدنا براء بن عازبؓ فرماتے ہیں ”مکمل سلام یہ ہے کہ تم اپنے بھائی سے مصافحہ کرو“۔

پُرجوش مصافحہ محبت کے اظہار کا ذریعہ بھی ہے۔

حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ ”مصافحہ محبت میں اضافہ کرتا ہے“۔

عطا خراسانی تابعیؒ فرماتے ہیں:

”مصافحہ کرو یہ تمہارے غِل (کدُورت) کو دور کردے گا“۔

(موطا امام مالک)

مزید یہ کہ نبی اکرم ﷺ نے مصافحہ کے اہتمام پر مغفرت کی خوش خبری سنائی ہے:

”جب دو مسلمان ملاقات کرتے ہیں اور آپس میں مصافحہ کرتے ہیں تو اللہ ان کے الگ ہونے سے پہلے ان کی مغفرت کردیتا ہے“۔ (سنن ابی داؤد)

(۱) آزاد-نجات پاجانا

سیدنا ابوذرؓ سے پوچھا گیا کہ جب نبی اکرم ﷺ آپ لوگوں سے ملتے تھے تو مصافحہ فرماتے تھے انھوں نے جواب دیا:

”میں نبی اکرم ﷺ سے جب بھی ملتا تو آپ مجھ سے مصافحہ فرماتے“۔ (سنن ابی داؤد)

11۔ کھانا کھلانا

کھانا کھلانا اسلام کی صفات میں سے ایک صفت ہے۔

ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ سے سوال کیا اسلام کی کون سی صفت بہتر ہے؟ آپ نے جواب دیا:

’’یہ کہ تو کھانا کھلائے اور سلام کرے ہر اس شخص کو جسے تو جانتا ہو یا نہ جانتا ہو‘‘۔

(متفق علیہ)

نبی اکرم ﷺ نے مدینہ آمد پر جو سب سے پہلا خطاب فرمایا اس میں بھی یہ ہدایت فرمائی: ’’اے لوگو سلام کو پھیلاؤ اور کھانا کھلاؤ‘‘ (سنن ترمذی)۔

جس طرح سلام کرنا اسلامی محبت واخوت کا ایک تقاضا اور اس کے فروغ[۱] کا ایک ذریعہ ہے اسی طرح کھانا کھلانا بھی اخوت ومحبت کے اظہار وفروغ کا ایک ذریعہ ہے۔کھانا کھلانے کی اتنی فضیلت[۲] ہے کہ

حضرت علیؓ فرماتے ہیں مجھے ایک غلام آزاد کرنے سے زیادہ یہ پسند ہے کہ میں ایک یا دو صاع (کھجور وغیرہ) پر اپنے دوستوں کی دعوت کروں۔

معروف تابعی جناب شعبیؒ کہتے ہیں کہ

مجھے ایک درہم صدقہ کرنے سے زیادہ یہ محبوب ہے کہ میں اپنے کسی بھائی کو ایک لقمہ کھلا

(۱) ترقی (۲) بڑائی

دوں۔(شعب الایمان)

اسلامی اخوت ومحبت کی بنیاد پر کھانا کھلانے کا اہتمام اسلاف کا عام معمول تھا۔

یزید بن زیادؒ کہتے ہیں کہ میں جب بھی اپنے استاد عبدالرحمن بن ابی لیلیٰؒ (امام التابعین) کے پاس آتا وہ مجھے حدیث سنانے کے ساتھ ساتھ بہترین کھانا بھی کھلاتے۔

عبداللہ بن مبارکؒ سفیان بن عیینہؒ کے پاس سے خوشگوار موڈ میں نکلے تو پوچھنے پر بتایا کہ سفیان نے مجھے چالیس حدیثیں سنانے کے علاوہ خُمیص کھلا کر بھیجا ہے۔

(خُمیص آٹے اور کھجور وغیرہ کو ملا کر بنایا جانے والا ایک حلوا قسم کی چیز ہوتی ہے)۔

حماد بن ابی حنیفہؒ ہر جمعہ کو اپنے بھائیوں کو بلاتے، انھیں عمدہ کھانا کھلاتے اور خوشبو لگاتے، پھر وہ انہی کے گھر سے مسجد کو روانہ ہو جاتے۔

رفقاء میں ہمیں ایک دوسرے کو کھانا کھلانے کی اس اہم دینی معاشرت[۱] کو عام کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ خصوصاً ذمہ داران کو اجتماعات کے دوران بھی حسبِ استطاعت کچھ نہ کچھ کھانے کا اہتمام کرنا چاہیے اور انفرادی طور پر بھی رفقاء کو گھر میں کھانے کی دعوت کا اہتمام کرنا چاہیے۔ اس ضمن میں اگر رفقاء کے اہل خانہ کو بھی شامل کر لیا جائے تو اس سے بہت مفید نتائج حاصل ہوں گے ان شاء اللہ۔

12۔ تکلّف سے پرہیز

مہمان کے اکرام اور آرام کی غرض سے حسبِ مقدور بہتر سے بہتر اہتمام کیا جا سکتا ہے لیکن اس میں تکلّف سے بچنا چاہیے۔ تکلف سے ایسا اِنتظام مُراد ہے جس میں انسان کو مشقت اٹھانی پڑے۔

(۱) مل جُل کر رہنا

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَا یَتَکَلَّفَنَّ اَحَدٌ لِضَیْفِهٖ مَالَا یَقْدِرُ عَلَیْهِ۔ (شعب الایمان)

”تم میں سے کوئی بھی مہمان کے لیے اتنا تکلف نہ کرے جو اس کے مقدور سے باہر ہو“۔

اگر انسان مجالس ومواکلت[۱] میں زیادہ تکلف کرے گا تو وہ یہ سلسلہ زیادہ عرصہ نہیں نبھا سکتا۔ اخراجات اور انتظامات کے بوجھ تلے دب کر انسان یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ ”تعلق بوجھ بن جائے تو اس کا توڑنا بہتر“۔

فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں انسانوں کے تعلقات تکلف ہی کی وجہ سے ختم ہوتے ہیں۔ ایک شخص دوسرے سے ملنے آتا ہے اور وہ تکلف کا مظاہرہ کرتا ہے پس یہ تکلف اس کو اس کے پاس آنے سے روک دیتا ہے۔ (اِحیاءُ علوم الدین)

حسن بصریؒ کے پاس جب ان کے بھائی آتے تو جو کچھ موجود ہوتا وہ پیش کر دیتے بسا اوقات پلنگ کے نیچے سے ایک تھیلا نکالتے اور اس میں سے کھجوریں نکال کر پیش کرتے اور کہتے یہ میں نے تمہارے لیے بچا رکھی تھیں۔

13۔ تحفہ

دوستوں پر خرچ کرنے کا ایک عمدہ طریقہ تحفہ دینا بھی ہے۔ باہمی محبت کے فروغ میں اسے خاص حیثیت حاصل ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

تَهَادَوْا تَحَآبُّوْا ”ایک دوسرے کو تحفے دو اور محبت بڑھاؤ“۔ (الادب المفرد)

ایک اور حدیث مبارکہ کے الفاظ ہیں

(۱) باہم کھانا کھلانا

تَهَادُوْا تَحَابُّوْا وَتَذْهَبِ الشَّحْنَاءُ ۔ (مؤطا امام مالک علیہ الرحمۃ)

"باہم تحائف کا تبادلہ کرو اور باہم محبت کرو اور تحفے دینے سے کدورت دور ہوتی ہے"۔

تحفے کا قیمتی ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ کوئی عام سی چیز بھی تحفے میں دی جاسکتی ہے۔ تحفہ چاہے کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو، اس کی ناقدری نہیں کرنی چاہیے بلکہ خندہ پیشانی سے اسے قبول کرتے ہوئے اس کی خاص تعظیم کرنی چاہیے۔

نبی اکرم ﷺ کے بارے میں آتا ہے

يُعَظِّمُ النِّعْمَةَ، وَإِنْ دَقَّتْ (شمائل ترمذی)۔

"آپ ﷺ کسی بھی نعمت کو بہت تعظیم دیتے تھے چاہے کتنی ہی حقیر کیوں نہ ہو"۔

تحفہ ملنے پر دینے والے کا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔ تحفے کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے اور اس کا ذکر دوسروں کے سامنے بھی کرنا چاہیے۔ سلمان واسطی کہتے ہیں کہ "احسان کا ذکر محبت کو پیدا کرتا ہے"۔ نعمتوں اور احسان کے ذکر سے محبت پیدا کرنے کا طریقہ بہت ہی عمدہ ہے۔ اسے اللہ و رسول ﷺ کی محبت پیدا کرنے کے لیے بھی استعمال کرنا بہت مفید ہے۔ ایک بار سیدنا علیؓ نے ایک عمدہ جوڑا زیب تن کیا ہوا تھا، کسی کے پوچھنے پر بتایا یہ میرے خلیل اور جگری دوست عمرؓ نے مجھے پہنایا ہے۔ (الاخوان لابی ابن الدنیا)

14۔ آدابِ مجلس اور اچھا نام

محبت کے اظہار وفروغ (۱) کا ایک ذریعہ یہ بھی ہے کہ انسان دوسرے کے لیے مجلس میں جگہ پیدا کرے اور اس کے اچھے نام کے ساتھ اسے پکارے۔

(۱) اضافہ

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ لِلْمُسْلِمِ لَحَقًّا اِذَا رَاٰهُ اَخُوْهُ اَنْ يَّتَزَحْزَحَ لَهٗ (شعب الایمان)

"بے شک مسلمان پر لازم ہے جب وہ اپنے بھائی کو دیکھے تو تھوڑا سا اپنی جگہ سے کھسک جائے، (یعنی اسے جگہ دے)"۔

سیدنا عمر فاروقؓ فرماتے ہیں" تین چیزیں ایسی ہیں جو تمھارے لیے تمھارے بھائی کی محبت کو مستحکم (۱) کردیں گی، جب تم اس سے ملو تو اسے سلام کرو، مجلس میں اس کے لیے وسعت پیدا کرو اور ایسے نام سے اسے پکارو جو اسے اچھا لگے"۔ اسی طرح کسی دوسرے کی جگہ پر نہ بیٹھنا یا کسی کو اس کی جگہ سے نہ اٹھانا وغیرہ بھی ایسے آداب ہیں جن کا خیال رکھنا چاہیے۔ ظاہری آداب میں سے کچھ آداب کا خیال رکھنا بھی محبت اور حسنِ صحبت کے لیے ضروری ہے، اپنے دوست اور بھائی کو محبت کی نظروں سے دیکھا جائے، اس کی بات کو پوری توجہ اور یکسوئی (۲) کے ساتھ سنا جائے اور قطع کلامی (۳) سے بچا جائے۔ گفتگو میں ان کی آواز پر آواز بلند نہ کی جائے اور بات ایسی کی جائے جو انھیں بھلی لگے۔

15۔ حُسنِ ظن

اللہ تعالیٰ نے ہمیں خوش گمانی (۴) اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۙ وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۲﴾ (النور:12)

"کیوں نہ اہل ایمان مردوں اور عورتوں نے اچھا گمان کیا جب وہ (بُری) بات

(۱) مضبوط (۲) اطمینان (۳) بات کاٹنا (۴) اچھا گمان رکھنا

سنی تھی کیوں نہ یہ کہا کہ یہ تو کُھلا جھوٹ ہے“۔

ابوقلابہ البصری کہتے ہیں:

”جب تمھیں اپنے بھائی کی طرف سے کوئی ناگوار(۱) معاملہ پیش آئے تو اپنی طرف سے اس کے لیے کوئی عذر گھڑنے کی حتی الامکان کوشش کرو اور اگر کوئی عذر نہ پاؤ تو کہو ممکن ہے میرے بھائی کو کوئی ایسا عذر لاحق ہو جو مجھے سمجھ نہیں آتا“۔

جب بھی کچھ رفقاء اجتماعات سے غیر حاضر ہوجاتے ہیں تو ہم سوءِ ظن(۲) کی روش(۳) اختیار کرتے ہوئے دل میں ان کے حوالے سے کچھ نامناسب رائے قائم کرلیتے ہیں اور بعض اوقات اس کا اظہار بھی ہو جاتا ہے۔ حالانکہ ہمیں مثبت سوچ رکھتے ہوئے حسنِ ظن(۴) کی روش کو اختیار کرنا چاہیے۔ ان کے عذر کو قبول کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آنی چاہیے۔ عذر کا قبول کرنا بھی رفقاء کی دلجوئی(۵) کا باعث بنتا ہے۔

ہمیں (خصوصاً ذمہ داران کو) اپنے لیے عزیمت(۶) اور رفقاء کے لیے رخصت کا طرزِ عمل اختیار کرنا چاہیے۔

سیدنا حسن بن علیؓ فرماتے ہیں:

”اگر کوئی شخص میرے ایک کان میں مجھے گالی دے اور دوسرے میں کوئی عذر پیش کرے تو میں اس کا عذر قبول کرلوں گا“۔

عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں:

”مجھے میرے وہ بھائی بہت محبوب ہیں کہ جب میں ان کے پاس آؤں تو وہ مجھے قبول کریں اور جب ان سے دور ہوجاؤں تو میرا عذر قبول کریں“۔

(۱) ناپسند (۲) بُرا گمان (۳) انداز (۴) اچھا گمان (۵) تسلی (۶) اعلیٰ درجے کی کارکردگی

باب سوم:

اُخوت اور محبت کو تباہ کرنے والے اعمال/قواطع محبت(۱)

اب تک ہم یہ سمجھ چکے ہیں کہ آپس میں محبت و اخوت کو کیسے فروغ دیا جاسکتا ہے۔ لیکن یہ بات بھی سمجھنی بہت ضروری ہے کہ اخوت ومحبت کو قائم کرنا تو مشکل ہے اور اس میں کچھ وقت بھی لگ جاتا ہے مگر بسا اوقات(۲) معمولی سی کسی غلطی یا ناپسندیدہ امور سے بہت جلد ختم ہو جاتی ہے۔ بعض امور ایسے ہیں جن کے ارتکاب(۳) سے باہمی محبت نہ صرف فوراً ختم ہوجاتی ہے بلکہ بات نفرت تک بھی پہنچ جاتی ہے۔ جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں:

”اللہ کے لیے آپس میں بھائی بننے والوں میں جب بھی دوستی ختم ہوتی ہے تو ان میں سے کسی ایک کی غلطی کی وجہ سے ہی ختم ہوتی ہے“۔

(اِحیاءُ علوم الدین)

شریعت نے محبت کے فروغ کے اسباب ووسائل(۴) بھی بتائے ہیں اور ان کے اختیار کرنے کا حکم دیا ہے اور محبت کو ختم کرنے والے کام بھی بتائے ہیں اور ان سے بچنے کا حکم دیا ہے۔ لیکن بچنے والے امور کے بارے میں سختی زیادہ آئی ہے حتی کہ ان میں سے اکثر کو حرام قرار دیا ہے لہٰذا محبت افزا(۵) اسباب کی بجاآوری(۶) کے ساتھ ساتھ محبت سوز(۷) امور سے

(۱) محبت کو قطع کرنے والے اسباب (۲) اکثر اوقات (۳) (کوئی غلط) کام کرنا (۴) ذرائع (۵) محبت بڑھانے والے (۶) انجام دہی (۷) محبت ختم کرنے والے

اجتناب کرنا بھی لازم ہے اور جو کوئی ایسا نہ کرے تو اس کی مثال ایسے ہے جیسے، کوئی دوائی کھا کر اوپر سے زہر پی لے۔ لہٰذا اس اخوت اور محبت میں کمی پیدا کرنے والے اسباب کی طرف بھی توجہ دینا ناگزیر[۱] ہے۔ اس پہلو کو اگر نظر انداز کیا گیا تو ساری محنت ضائع ہونے کا بھی اندیشہ ہے۔

عام طور تنظیمی اجتماعات میں شامل ہونے کے دوران اور بعد میں کچھ ایسے معاملات ہو جاتے ہیں جن پر خصوصی توجہ دینا بہت ضروری ہے۔ قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں ہمیں ان معاملات کے حوالے سے تفصیلی رہنمائی ملتی ہیں۔

ان میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ مذاق اڑانا

مجلسی برائیوں میں سب سے پہلی ہے ایک دوسرے کا مذاق اڑانا۔

سورۃ الحجرات کی آیت 11 میں ارشاد ہوا:

لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ

"کوئی قوم دوسری قوم کا مذاق نہ اڑائے۔ ہوسکتا ہے وہ ان سے بہتر ہوں"۔

مذاق کسی کی صورت، عیب، لباس یا کام کا اڑایا جاتا ہے۔ مذاق گفتگو سے، ہنس کر، نقل اتار کر، کسی کی طرف اشارہ کر کے یا کسی کے کسی عیب کی طرف دوسروں کو متوجہ کر کے اڑایا جاتا ہے۔ یہ گھٹیا حرکت اُس وقت کی جاتی ہے جب کسی کو رنگ، نسل، جسمانی عیب، گفتگو، لباس، پیشے وغیرہ کی وجہ سے کم تر سمجھا جاتا ہے۔

کہاوت ہے کہ "تلواروں کے زخم مندمل[۲] ہو جاتے ہیں لیکن زبان کے زخم مندمل نہیں ہوتے"۔

(۱) ضروری (۲) ٹھیک ہو

مذاق اڑانا بعض اوقات کسی کے دل پر ایسا کاری[۱] زخم لگاتا ہے جو مدتوں مندمل نہیں ہوتا۔

عَنِ الْحَسَنِ الْبَصْرِيِّ اِنَّ الْمُسْتَهْزِئِيْنَ بِالنَّاسِ يُفْتَحُ لِاَحَدِهِمْ فِي الْاٰخِرَةِ بَابٌ مِّنَ الْجَنَّةِ، فَيُقَالُ لَهٗ: هَلُمَّ فَيَجِيْءُ بِكَرْبِهٖ وَغَمِّهٖ، فَاِذَا جَآءَهٗ اُغْلِقَ دُوْنَهٗ ثُمَّ يُفْتَحُ لَهٗ بَابٌ آخَرُ، فَيُقَالُ لَهٗ: هَلُمَّ. فَيَجِيْءُ بِكَرْبِهٖ وَغَمِّهٖ، فَاِذَا جَآءَهٗ اُغْلِقَ دُوْنَهٗ، فَمَا يَزَالُ كَذٰلِكَ حَتّٰى اَنَّ اَحَدَهُمْ لَيُفْتَحُ لَهُ الْبَابُ مِنْ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ فَيُقَالُ لَهٗ: هَلُمَّ. فَمَا يَأْتِيْهِ مِنَ الْاَيَاسِ (المنذری)

"حسن بصریؒ سے روایت ہے کہ یقیناً لوگوں کا مذاق اڑانے والے ہر فرد کے لیے قیامت کے دن جنت کا ایک دروازہ کھولا جائے گا اور اسے کہا جائے گا "تشریف لائیے"۔ وہ غم کے ساتھ آئے گا اور جیسے ہی دروازہ تک پہنچے گا اس پر دروازہ بند کر دیا جائے گا۔ پھر اُس کے لیے (جنت کا) ایک اور دروازہ کھولا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا "تشریف لائیے" وہ بے قراری اور غم کے ساتھ (پھر) آئے گا۔ اس پر یہ دروازہ بھی بند کر دیا جائے گا۔ یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہے گا یہاں تک کہ جب بھی ان میں سے کسی کے لیے جنت کا دروازہ کھولا جائے گا اور اسے کہا جائے گا کہ "آؤ" تو وہ مایوسی کے سبب وہاں آنے اور داخل ہونے کی ہمت نہ کرے گا"۔

مذاق اڑانے والا کسی کے ظاہر کو دیکھ کر ایسا کرتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ انسان کے باطن پر ہوتی ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا اِرشاد ہے کہ:

(۱) مہلک

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَنۡظُرُ اِلٰى صُوَرِكُمۡ وَاَمۡوَالِكُمۡ وَلٰكِنۡ يَّنۡظُرُ اِلٰى قُلُوۡبِكُمۡ وَاَعۡمَالِكُمۡ (صحیح مسلم)

"بے شک اللہ نہ تمہاری صورتیں دیکھتا ہے نہ مال، بلکہ وہ تمہارے دل اور اعمال دیکھتا ہے"۔

ممکن ہے جس کا مذاق اڑایا جا رہا ہے وہ اپنی کسی نیکی کی وجہ سے اللہ کو مذاق اڑانے والے سے زیادہ محبوب ہو یا اگر آج برا ہے تو کل کوئی ایسا عمل کرے کہ اللہ کی نگاہ میں افضل قرار پائے۔ اسی وجہ سے ہمیں ایک دوسرے کو حقیر[۱] نہیں سمجھنا چاہیے۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"کسی آدمی کے شریر ہونے کے لیے یہی دلیل کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر جانے"۔

دوسروں کو حقیر جاننے کی وجہ غرور اور تکبر[۲] ہی ہے۔

ایک دفعہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں نہ جائے گا۔ اور پھر ایک شخص کے سوال کے جواب میں تکبر کی تشریح کچھ یوں فرمائی "تکبر ہے حق کو رد کرنا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا"۔

2۔ عیب لگانا

مجلسی برائیوں میں دوسرے نمبر پر ہے لوگوں میں عیب تلاش کرنا۔

سورۃ الحجرات کی آیت 11 میں ارشاد ہوا:

وَلَا تَلۡمِزُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ

"اور اپنے آپ کو عیب مت لگاؤ"۔

(۱) ادنیٰ (۲) بڑائی کا اظہار

قرآن مجید نے اپنے بھائی بندوں پر عیب لگانے سے منع کرنے کا یہ بہت ہی بلیغ[۱] انداز اپنایا ہے کہ اپنے آپ کو عیب نہ لگاؤ۔ یعنی کسی کو عیب لگانے سے پہلے یہ ضرور سوچ لو کہ وہ تمہاری اپنی ہی ملت کا ایک فرد ہے اور اپنی ملت کے کسی فرد کو عیب لگانا گویا خود اپنے آپ ہی کو عیب لگانے کے مترادف[۲] ہے۔ ایک روایت میں آتا ہے

قَالَ حَدَّثَنِىۡ شَقِيۡقٌ عَنۡ مَسۡرُوۡقٍ قَالَ كُنَّا جُلُوۡسًا مَعَ عَبۡدِ اللّٰهِ بۡنِ عَمۡرٍو يُحَدِّثُنَا اِذۡ قَالَ لَمۡ يَكُنۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ ﷺ فَاحِشًا وَلَا مُتَفَحِّشًا وَاِنَّهُ كَانَ يَقُوۡلُ اِنَّ خِيَارَكُمۡ اَحَاسِنُكُمۡ اَخۡلَاقًا (بخاری)

"مسروق کہتے ہیں کہ ہم لوگ عبداللہ بن عمرؓ کے پاس بیٹھے تھے کہ انھوں نے حدیث بیان کرتے ہوئے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کو نہ تو فحش گوئی[۳] کی عادت تھی اور نہ قصداً فحش کلامی فرماتے تھے اور آپ فرماتے تھے کہ تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اخلاق کے اعتبار سے بہتر ہو"۔

3۔ برے ناموں سے پکارنا

مجلسی برائیوں میں تیسرا نمبر ہے ایک دوسرے کے بُرے نام رکھنا۔

سورۃ الحجرات کی آیت 11 میں ارشاد ہوا۔

وَلَا تَنَابَزُوۡا بِالۡاَلۡقَابِ ؕ

"اور نہ آپس میں ایک دوسرے کے چڑانے والے نام رکھا کرو"۔

ہمارے معاشرے میں یہ رواج عام ہے کہ لوگوں کی کسی کمزوری کی بنا پر ان کے نام رکھ دیے جاتے ہیں۔ حالانکہ ان کے ماں باپ نے ان کا بہت اچھا نام رکھا تھا۔ اس عمل کی وجہ سے جن لوگوں کو نشانہ بنایا جاتا ہے وہ اجتماعات سے دُور بھاگتے ہیں۔

(۱) کامل (۲) ہم معنی (۳) بے حیائی کی بات کہنا

4۔ بدگمانی سے بچنا

سورۃ الحجرات کی آیت 12 میں کسی شخص کی غیر موجودگی میں اس کے بارے میں بُرا گمان کرنے سے منع کیا گیا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ

"اے اہلِ ایمان! زیادہ گمان کرنے سے بچو، بیشک بعض گمان گناہ ہوتے ہیں"۔

رفقاء کے حوالے سے ہماری رائے محض گمان پر نہیں بلکہ ٹھوس حقائق کی بنیاد پر ہونی چاہیے۔ کسی رفیق کے ساتھ معاملہ کا آغاز حسنِ ظن[۱] سے کرنا چاہیئے۔ بعض اوقات ہم رفقاء کو اجتماعات میں نہ پا کر سوءِظن سے کام لیتے ہیں اور یہی سوءِظن[۲] بعض اوقات پے در پے غلط فہمیوں کا سبب بن جاتا ہے اور ہم سے افسوسناک اقدامات کروا دیتا ہے۔ اسی وجہ سے ہمیں اپنے رفقاء کے ہر عمل کی اچھی تاویل[۳] کرنی چاہیے الا یہ کہ ہمارے پاس اس کے برعکس کوئی ٹھوس معلومات موجود ہوں۔ بعض دفعہ ذمہ داران کو اہم فیصلہ لینے کے لیے سوءِظن سے کام لینا پڑتا ہے اس بات کی شریعت میں اجازت ہے۔

5۔ ایک دوسرے کی جاسوسی سے بچنا

سورۃ الحجرات کی آیت 12 ہی میں ایک اور برائی کی طرف نشاندہی کی گئی ہے فرمایا گیا:

وَلَا تَجَسَّسُوْا

"ایک دوسری کی ٹوہ میں نہ رہو یا تجسس[۴] نہ کیا کرو"۔

عام طور پر کسی کے ساتھ حسد، بغض، دشمنی یا دنیوی معاملات میں مسابقت[۵] کی وجہ سے، اُس کے نجی و ذاتی معاملات کو جاننے کی کوشش کی جاتی ہے تا کہ اُس کو بدنام کیا جائے یا نقصان پہنچایا جائے۔ بعض دفعہ بلا وجہ اپنے ہی رفقاء یا اکابرین کے معاملات میں دخل

(۱) اچھا گمان (۲) بُرا گمان (۳) درست معنی بیان کرنا (۴) ٹوہ لگانا (۵) آگے بڑھ جانا

اندازی کے لیے اِس حرکت کا ارتکاب کرتے ہیں۔ بعض اوقات کسی کو بلیک میل کرنے کے لیے اُس کے ذاتی معاملات کی کھوج کرید[۱] کی جاتی ہے اور پھر اِس کی تشہیر کی جاتی ہے یا اِسکینڈل[۲] (Scandal) کھڑا کیا جاتا ہے۔ اِس برائی سے مسلمانوں کو روکا گیا کیوں کہ یہ آپس میں شدید نفرتوں کا باعث بنتی ہے۔ ہمیشہ یہ اصول پیش نظر رہنا چاہیے کہ ہماری جماعت کوئی فرشتوں کی جماعت نہیں ہے۔ بشر ہونے کی وجہ سے ہر ایک کے کردار میں بہت سی خامیاں ہونگی جن کو اللہ نے اپنے خاص فضل سے پردے میں رکھا ہوا ہے۔ ہمیں ان کی کھوج میں نہیں لگنا چاہیے۔

ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

لَا تَغْتَابُوا الْمُسْلِمِيْنَ وَلَا تَتَّبِعُوْا عَوْرَاتِهِمْ فَاِنَّهٗ مَنِ اتَّبَعَ عَوْرَاتِهِمْ يَتَّبِعِ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ وَمَنْ يَّتَّبِعِ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ يَفْضَحْهُ فِيْ بَيْتِهٖ

(سُنن ابی داؤد)

"مسلمانوں کے پوشیدہ حالات کی کھوج نہ لگایا کرو۔ جو شخص مسلمانوں کے عیوب ڈھونڈنے کے در پے ہو جائے گا اللہ اُس کے در پے ہو جائے گا اور اللہ جس کے در پے ہو جائے اُسے اُس کے گھر میں رُسوا کر کے چھوڑتا ہے"۔

ایک اور مقام پر حضور ﷺ نے فرمایا:

يَا مَعْشَرَ مَنْ اٰمَنَ بِلِسَانِهٖ وَلَمْ يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ قَلْبَهٗ، لَا تَغْتَابُوا الْمُسْلِمِيْنَ، وَلَا تَتَّبِعُوْا عَوْرَاتِهِمْ، فَاِنَّهٗ مَنِ اتَّبَعَ عَوْرَاتِهِمْ يَتَّبِعِ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ، وَمَنْ يَّتَّبِعِ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ يَفْضَحْهُ فِيْ بَيْتِهٖ. (سُنن ابی داؤد)

"اے ان لوگوں کی جماعت! جو صرف زبان سے ایمان لائے ہو اور ان کے قلوب میں ایمان داخل نہیں ہوا مسلمانوں کی غیبت مت کیا کرو اور نہ ان کی

(۱) سراغ لگانا (۲) بدنامی کا واقعہ

عزت وآبرو کے درپے رہو اس لیے جو کسی کی عزت کے درپے ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی عزت کے درپے ہوجاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ جس کی عزت کے درپے ہوجائیں تو اس کو اپنے گھر بیٹھے رسوا کردیتے ہیں"۔

6۔حسد وبغض سے اجتناب

عَنِ الزُّبَيْرِ قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " دَبَّ إِلَيْكُمْ دَاءُ الْأُمَمِ قَبْلَكُمْ : اَلْحَسَدُ، وَالْبَغْضَاءُ، وَالْبَغْضَاءُ هِيَ : الْحَالِقَةُ، لَا أَقُولُ تَحْلِقُ الشَّعْرَ، وَلٰكِنْ تَحْلِقُ الدِّينَ، (رواہ ابوداؤد والترمذی)

حضرت زبیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ اگلی امتوں کی مہلک بیماری یعنی حسد وبغض تمہاری طرف چلی آرہی ہے، یہ بالکل صفایا کردینے والی اور مونڈ دینے والی ہے (پھر اپنا مقصد واضح کرتے ہوئے آپ نے فرمایا) میرے اس کہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ بالوں کو مونڈنے والی ہے، بلکہ یہ مونڈتی ہے اور بالکل صفایا کردیتی ہے دین کا۔

تشریح: صحابہ کرامؓ کے متعلق اللہ علیم وخبیر کی یہ شہادت قرآن مجید میں محفوظ ہے کہ وہ ایک دوسرے پر شفیق اور مہربان ہیں رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ دوسری جگہ فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خاص کرم نے ان کے دل ملادیئے ہیں، اور وہ پُرانے جھگڑوں کو بالکل بُھلا کر آپس میں بھائی بھائی ہوگئے ہیں۔فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا ۚ (آل عمران:103) ایک اور جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مخاطب کرکے فرمایا گیا ہے، کہ اللہ کا یہ خاص انعام ہے، کہ اُس نے تم پر ایمان لانے والون کے دل ملادیئے ہیں، اگر تم اس مقصد کے لئے دنیا کی ساری دولت اور سارے خزانے بھی خرچ کرڈالتے تو بھی ان کے دلوں میں یہ الفت ومحبت پیدا نہ کرسکتے۔ وَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ ۚ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّاۤ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ (الانفال:63) بہرحال قرآن مجید کی ان واضح شہادتوں سے معلوم ہوا کہ جہاں تک صحابہ کرامؓ کا تعلق ہے ان

کے دل ایک دوسرے کی محبت والفت سے بھر دیئے گئے تھے، اور ان میں باہم بغض وحسد کا نام ونشان بھی نہ تھا، اس لئے اس حدیث دَبَّ إِلَیْکُمْ دَاءُ الْأُمَمِ قَبْلَکُمْ : اَلْحَسَدُ، وَالْبَغْضَاءُ کا منشا یہی ہوسکتا ہے کہ بعد کے دوروں میں بغض وحسد کی جو مہلک بیماری مسلمانوں میں آنے والی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر وہ منکشف ہوئی، اور آپ نے اُمت کو اس آنے والی بلا سے خبردار کیا اور بتلایا کہ بغض وحسد کی جس مہلک بیماری نے اگلی بہت سے اُمتوں کے دین وایمان کو برباد کیا وہ میری اُمت کی طرف بھی چلی آرہی ہے، لہٰذا اللہ کے بندے ہوشیار رہیں، اور اس لعنت سے اپنے دلوں اور سینوں کی حفاظت کی فکر کریں۔

7۔ غیبت سے اجتناب

سورۃ الحجرات کی آیت 12 میں ایک اور انتہائی خوفناک غیر مجلسی برائی کی طرف نشاندہی کی گئی ہے۔ ارشاد ہوا: وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُکُمْ بَعْضًا ؕ اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَکَرِهْتُمُوْهُ ؕ

"اور نہ تم میں سے کوئی کسی کی غیبت کرے، کیا تم میں سے کوئی پسند کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے؟ تو یہ تو تمھیں بہت برا لگا"۔

یہ آیت کریمہ کسی بھی پرسکون اور رحم دل اجتماعیت میں شخصی عزت نفس، بزرگی اور آزادی کے اردگرد ایک دیوار قائم کرتی ہے اور ساتھ ساتھ مؤثر انداز میں ہمیں یہ درس بھی دیتی ہے کہ ہم نے اپنے شعور اور ضمیر کو کیسے پاک رکھنا ہے۔ بے شک اجتماعیت میں شامل رفقاء کی آزادی اور عزتِ نفس کی پامالی کسی بھی صورت میں جائز نہیں ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ اَتَدْرُوْنَ مَا الْغِیْبَةُ قَالُوْا: اَللهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ۔ قَالَ ذِکْرُكَ اَخَاكَ بِمَا یَکْرَهُ۔ قِیْلَ اَفَرَاَیْتَ اِنْ کَانَ فِیْ اَخِیْ مَا اَقُوْلُ، قَالَ: اِنْ کَانَ فِیْهِ مَا تَقُوْلُ فَقَدِ اغْتَبْتَهٗ وَاِنْ لَّمْ یَکُنْ فِیْهِ مَا تَقُوْلُ فَقَدْ بَهَتَّهٗ (رواہ مسلم)

"حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو غیبت کس کو کہتے ہیں؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ بہتر جانتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا غیبت یہ ہے کہ تم اپنے مسلمان بھائی کا ذکر اس طرح کرو کہ جس کو وہ اگر سن لے تو ناپسند کرے۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ سن کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ بتایئے کہ اگر میرے اس بھائی میں جس کا میں نے برائی کے ساتھ ذکر کیا ہے وہ عیب موجود ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا تم نے اس کی جس برائی کا ذکر کیا ہے اگر وہ واقعی اس میں موجود ہے تو تم نے اس کی غیبت کی اور اگر اس میں وہ برائی موجود نہیں ہے جس کا تم نے ذکر کیا ہے تو تم نے اس پر بہتان (۱) لگایا"۔

8۔ بحث ومباحثے سے بچنا

کسی بھی معاملے میں اختلاف رائے کا پیدا ہونا نہایت فطری عمل ہے:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُمَارِ أَخَاكَ وَلَا تُمَازِحْهُ وَلَا تَعِدْهُ مَوْعِدَةً فَتُخْلِفَهُ (سنن الترمذی:1995)

"نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا اپنے بھائی سے مت جھگڑو، نہ اس سے ہنسی مذاق کرو، اور نہ اس سے کوئی ایسا وعدہ کرو جس کی تم خلاف ورزی کرو"۔

ابن ابی لیلیٰ کہتے ہیں میں اپنے دوستوں سے بحث نہیں کرتا کیونکہ یا تو میں انھیں غلط ثابت کروں گا (تو انھیں غصہ آئے گا) یا پھر مجھے ان پر غصہ آئے گا کیونکہ وہ مجھے غلط ثابت کریں گے۔ اوّل تو جدال سے بچنا ہی چاہیے یا پھر اس انداز سے سوال کرنا چاہیے کہ گویا اپنی معلومات اور استفادے (۲) کے لیے پوچھا جا رہا ہے۔

(۱) تہمت (۲) فائدہ حاصل کرنا

امام نوویؒ لکھتے ہیں یہاں جس مذاق سے روکا جارہا ہے وہ بکثرت مزاح کرنا ہے کیونکہ یہ تضحیک (۱) وایذا اور قساوتِ قلبی (۲) کا باعث بنتا ہے، البتہ کبھی کبھار مباحات (۳) کے دائرے میں مذاق کیا جاسکتا ہے۔ اور وہ بھی اس لطیف انداز میں کہ وہ خود بھی اس سے لطف اندوز ہو۔

9۔ متفرق برائیاں

نبی کریم ﷺ نے اپنے فرامین میں کچھ مزید برائیوں سے روکا ہے۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے:

"نہ دوسرے کی بولی پر محض قیمت چڑھانے کے لیے بولی دو، اور نہ ہی دنیاوی امور میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کے لیے لالچ کرو، نہ تو باہم حسد (۴) کا مظاہرہ کرو اور نہ ہی بغض کا مظاہرہ کرو۔ نہ ایک دوسرے کو پیٹھ دکھاؤ اور نہ قطع تعلق (۵) کرو۔ اللہ کے بندے اور باہم بھائی بھائی بن جاؤ جیسا کہ اللہ نے تمھیں حکم دیا ہے اور کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑے رکھے"۔ (بخاری ومسلم)

اگر انسان ان برائیوں سے بچے تو قطع تعلقی (۶) اور ناراضگی کی نوبت ہی نہیں آتی اور اگر خدانخواستہ ناراضگی ہو ہی جائے تو اس کی زیادہ سے زیادہ حد تین دن مقرر کردی گئی ہے۔ اس کے بعد راضی ہونا لازمی ہے اور **افضل وہ ہے جو دوسرے سے راضی ہونے میں ابتدا کرے گا**۔

مندرجہ بالا تمام اسباب کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے حصولِ محبت کی درج ذیل دعا کا بھی اہتمام کرنا چاہیے۔

اَللّٰهُمَّ اَلِّفْ بَيْنَ قُلُوبِنَا، وَاَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِنَا، وَاهْدِنَا سُبُلَ السَّلَامِ، وَنَجِّنَا مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَى النُّورِ، وَجَنِّبْنَا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَبَارِكْ لَنَا فِي اَسْمَاعِنَا وَاَبْصَارِنَا، وَقُلُوبِنَا، وَاَزْوَاجِنَا، وَذُرِّيَّاتِنَا، وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ

(۱) مذاق اُڑانا (۲) دل کا سخت ہونا (۳) جائز اُمور (۴) جلن (۵) تعلق ختم کرنا (۶) ملنا جلنا چھوڑ دینا

الرَّحِيمُ، وَاجْعَلْنَا شَاكِرِيْنَ لِنِعْمَتِكَ مُثْنِيْنَ بِهَا عَلَيْكَ، قَابِلِيْهَا، وَاَتِمَّهَا عَلَيْنَا (حاکم،ابوداؤد)

ترجمہ: اے اللہ! ہمارے دلوں میں الفت ڈال دے اور ہمارے آپس کے معاملات کی اصلاح کر دے اور ہمیں سلامتی کے راستے دکھا اور ہمیں گناہوں کے اندھیروں سے ہدایت کی روشنی کی طرف نجات دے اور ہمیں ظاہر اور چھپے ہوئے گناہوں سے بچا اور ہمارے لیے ہماری سماعتوں، ہماری بینائیوں، ہمارے دلوں، ہماری بیویوں اور ہماری اولاد میں برکت دے اور ہماری توبہ قبول کر، بے شک تو ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے اور ہمیں اپنی نعمتوں پر پان شکر کرنے والا اور حمد و ثناء اور ان کا حق ادا کرنے والا بنا اور ان نعمتوں کو ہم پر پورا کر دے۔

حرفِ آخر

رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ کی عملی تصویر میں اہل ایمان کی جو خصوصیات بیان ہوئی ہیں ان کا تعلق اقامتِ دین کی جدوجہد میں شامل رفقاءِ تنظیم کے ساتھ بہت گہرا ہے۔
کیونکہ منہجِ انقلابِ نبوی ﷺ کے مرحلہ تربیت میں جب تک رفقاء کے اندر یہ خصوصیات پیدا نہیں ہوں گی، **اس وقت تک غلبۂ دین کی جدوجہد صحیح انداز میں آگے نہیں بڑھ سکے گی**۔
اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب سیرت کی رہنمائی میں ہمارے محبت اور نفرت کے معیارات یک سر بدل جائیں اور **باقی جتنے بھی رشتے اور ناطے ہیں ان کے مقابلے میں اہل ایمان ہم مقصد ساتھیوں کے رشتہ کی اہمیت بڑھ جائے** اور ہم ہر آن اپنے دینی بھائی کے لیے ایثار و قربانی کے لیے تیار رہیں۔
بانیٔ تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ "اقامت دین کے لیے کام کرنے والوں کے مطلوبہ اوصاف" اپنے ایک درس میں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ اگر تمہارا قلبی میلان ان

لوگوں کی طرف ہے جو اس مقصد میں تمہارے ساتھی نہیں ہیں، جو اس سفر میں تمہارے ہم سفر نہیں ہیں، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم پر اس سفر کی قدر و قیمت ہی منکشف نہیں ہوئی، اس کی حیثیت کو تم نے جانا ہی نہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں آتا ہے: وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ (الحج:74):
"انہوں نے اللہ کی قدر نہیں کی جیسا کہ اس کی قدر کرنی چاہیے۔" اللہ کا اندازہ نہ کیا جیسا کہ اندازہ کرنا چاہیے۔
اس سارے معاملے کا دار و مدار value system پر ہوتا ہے کہ کس چیز کی آپ کی نگاہ میں قدر و منزلت ہے، اسی کے اعتبار سے آپ کا رویّہ طے پائے گا۔ اگر آپ نے اس کام کی قدر کو سمجھا ہے تو پھر ان لوگوں کی قدر و منزلت آپ کی نگاہ میں ہو گی اور ان سے محبت ہو گی جو آپ کے اس کام میں شریک ہیں، آپ کے دست و بازو ہیں، آپ کے ساتھ لگے ہوئے ہیں، جن کو آپ رفیق کا مرید "colleague" ہم سفر اور ہم مقصد ساتھی کہتے ہیں اور آپ کی محبت ان کے ساتھ نہیں ہو گی جو آپ کے ساتھ نہیں ہیں، جو اس مقصد کے دشمن ہیں، جو اس کے ساتھ بغض و عناد رکھتے ہیں، جو اس کے راستے میں روڑے اٹکاتے ہیں۔

(بحوالہ "حزب اللہ کے اوصاف اور امیر و مامورین کا باہمی تعلق: صفحہ 71")

اس کے نتیجے میں غلبۂ دین کی جدوجہد کو چار چاند لگ جائیں گے اور دورِ صحابہؓ کی یاد تازہ ہو جائے گی۔ اس لیے رفقاءِ تنظیم کو چاہیے **یہ مضمون صرف معلومات میں اضافہ کے لیے نہ پڑھیں** بلکہ اپنی ذاتی زندگی میں مکمل خلوص و اخلاص کے ساتھ اس مضمون میں درج تمام ہدایات پر حتی الامکان عمل کرنے کی کوشش کریں۔

اَللّٰهُمَّ وَفِّقْنَا لِهٰذَا آمِيْن يَا رَبَّ الْعَالَمِيْن

(اے اللہ! ہمیں اس کی توفیق سے نواز دے۔ آمین اے تمام جہانوں کے رب!)

☆--☆--☆